

حقائق کا سامنا کیجئے!

قرآن مجید نے دو نقطہ نگاہ، بیچ زندگی یا طرز عمل بیان کئے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک یہ کہ ہر پیش آنے والے معاملہ یا دعوئی کے متعلق وحی خداوندی کی روشنی میں علم و بصیرت کی روش سے غور و فکر کیا جائے اور اگر وہ حقیقت کے معیار (کتاب اللہ) پر پورا اترے تو اس کی صداقت کو قلب و دماغ کے کامل اطمینان کے ساتھ قبول اور تسلیم کر لیا جائے۔ صداقت کو اس طرح تسلیم کرنے کو، دین کی اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے۔ اور عام الفاظ میں اسے حقائق کا سامنا کرنا کہتے ہیں۔ دوسرا انداز زندگی یہ ہے کہ جو کچھ سچا چلا آ رہا ہے اسے آنکھیں بند کر کے صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ نہ اس پر عقل و بصیرت کی روش سے غور و فکر کیا جائے نہ وحی خداوندی کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے۔ قرآن مجید نے اس روش زندگی پر چلنے والوں کو کالاً لعنم قبل ھم آصل کہہ کر قرار دیا ہے یعنی حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے والے۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم بتایا ہے۔ جب سے اسلام کی گامی غیر اسلامی ٹیڑھی پر پڑی، ہم اسی روش پر گامزن چلے آ رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ہماری اس بیچ زندگی کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور ہزار جہان سے جہاں کہ کار و ان ملت کو اس شاہراہ پر ڈال دیا جائے جو اسے حقیقی اسلام کی منزل تک لے جائے۔ اس کے لئے انہوں نے (بطور قمر اول) ہندی مسلمانوں کے لئے اپنی آزاد مملکت کا تصور پیش کیا: "تاکہ ان کے الفاظ میں) اسلام پر سے اس غیر اسلامی قشر (چھلکوں) کو اتار کر جو ہمارے اور ملکیت میں اس پر تہ بہ تہ جم گئے تھے، پھر سے اصل اسلام کو زندہ حقیقت بنادیا جائے۔ اس کا طریق وہی تھا جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ یعنی جو کچھ اسلام کے نام سے متواتر چلا آ رہا ہے اس کے ایک ایک عنصر (اعتقادات، نظریات، آئین و نظام، احکام و قوانین وغیرہ) پر عقل و بصیرت کی روش سے غور و فکر کیا جائے اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کا جائزہ لے کر، جو کچھ اس معیار پر پورا اترے اسے حق و صداقت تسلیم کر لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہوا سے مسترد کر دیا جائے۔ علامہ اقبالؒ کے اس تصور کو دوبارہ عمل لانے کا نام تحریک پاکستان تھا جو قائد اعظمؒ کے زیر سرپرستی پر وہاں چڑھ رہی تھی۔

جس دوسرے مسلک یا بیچ زندگی کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، اس کے حاملین کی طرف سے اس تحریک کی نفی ہوئی۔ انگریز نے اپنے عہد حکومت میں مسلک یہ اختیار کیا تھا کہ مسلمانوں (بلکہ جملہ اہل مذاہب) کو ان کے معتقدات، عبادات اور شخصی قوانین کی آزادی دی جائے اور امور مملکت میں انہیں دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کے دوران ہندو نے بھی یہی مسلک اختیار کیا اور کہا کہ حصول آزادی کے بعد مسلمانوں کو مذہب کے معاملہ میں وہی آزادی حاصل رہے گی جو انہیں انگریز کے زمانے میں حاصل تھی، اور امور مملکت جمہوری انداز سے سرانجام پائیں گے۔ ہمارے مذہب پرست طبقہ نے کہا کہ اس سے اسلام کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے کسی آزاد مملکت کی ضرورت نہیں۔

تحریک پاکستان کی جنگ درحقیقت انہی دو نقطہ نگاہ یا مسلک کی جنگ تھی۔ اول آنکہ نقطہ نگاہ کا پیامبر اقبالؒ حصول پاکستان سے پہلے ہی راہی ملک تھا ہو گیا۔ اور اس کا شیعہ بردار قائد اعظمؒ اس کے مقصد سے عرصہ بعد ہم سے رخصت ہو گیا۔ ان کے بعد اسلام کی نماندگی ان لوگوں کے حصے میں آگئی جو دوسرے نقطہ نگاہ کے حامل تھے۔ یعنی اس نقطہ نگاہ کے حامل کہ اسلام

کے نام سے جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور جب اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا تو اس پر غور و فکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اتنا بھی نہیں کہ قرآن مجید کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے یا یہ دیکھا جائے کہ وہ موجودہ دور میں (اور خود مسلمانوں کی موجودہ حالت میں) قابل عمل بھی ہے یا نہیں۔

جبکہ کہا جا چکا ہے اول الذکر نقطہ نگاہ کے حاملین حصول پاکستان کے بعد ہم میں موجود نہ رہے لیکن طلوع اسلام اپنے اس نکت اور سعادت پر جس قدر بھی نادر سے کم ہے کہ اس کی نائندگی اس کے حصے میں آئی۔ وہ گزشتہ تیس سال سے اپنی بساط کے مطابق اس پیغام کو عام کئے جا رہے ہیں اور مخالفوں کے لاکھ جھگڑوں کے باوجود اپنے اس نکتے سے دہشتے کو روشن رکھے چلا آ رہا ہے۔ اس کے لئے وہ نہ کہ مستائش کا مستحق ہے نہ صلہ کا امیدوار۔ یہ اسے فریضہ فداوندی کے طور پر یاد کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فریضہ کی ادائیگی میں تحسین و ستائش یا اجر و معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے ہر تجویز، ہر تحریک، ہر دعویٰ ہر مطالبہ کے سلسلہ میں قوم سے ایک ہی استدعا کی — اور وہ یہ کہ حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت پیدا کیجئے۔ ان سے آنکھیں چرا کر آگے بڑھ جانے کی کوشش نہ کیجئے۔ اس لئے کہ حقائق اپنے مقام پر آمل ہوتے ہیں اور جو قوم ان سے آنکھیں چرا کر گزر جائے گی کوشش کرتی ہے، وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ فطرت کا آمل قانون ہے اور خدا کے متعین فرمودہ قوانین فطرت ہیں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (۳۳)

آج کی نشست میں ہم ان حقائق میں سے، جنہیں ہم نے قوم کے سامنے پیش کیا تھا چند ایک بطور مثال پیش کرتے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ قوم نے جب ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، تو اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

(۱۰)

تشکیل پاکستان کے فوری بعد ان حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ پاکستان میں :-

کتاب سنت

(۱) شخصی قوانین ہر فرقہ کے اپنے اپنے ہوں۔ اور

(۲) پبلک لاز کا ضابطہ کتاب و سنت کے مطابق مدون کیا جائے۔

طلوع اسلام نے کہا کہ یہ دونوں مطالبات حقائق کے خلاف ہیں۔ ذرا جذبات سے الگ ہو کر، قرآن مجید کی روشنی میں علم و بصیرت کی روش سے ان کا جائزہ لیجئے اور یہ دیکھئے کہ آیا یہ (۱) اسلام کے مطابق بھی ہیں اور (۲) آیا، موجودہ دور میں یہ ممکن العمل بھی ہیں؟ اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے ہم نے کہا کہ جہاں تک ممکن ہو مطالبہ کا تعلق ہے۔

(۱) قرآن مجید کی روش سے شخصی قوانین اور پبلک لاز کی تفریق غیر اسلامی ہے۔ یہ تفریق ہمارے دور ملکیت کی ایجاد ہے جب حکومت نے دنیاوی امور کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور مذہبی معاملات کو مذہبی پیشوا بیت کے حوالے کر دیا تھا اسلامی مملکت میں اس قسم کی ثنویت (DUALISM) کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس قسم کی تقسیم سیکولر نظام میں ہوتی ہے۔

(۲) قرآن کریم کی روش سے ساری کی ساری امت، ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ اس لئے امت میں فرقوں کے وجود کو شرک قرار دیا ہے (۱۳۲) ہر فرقہ کے اپنے اپنے شخصی قوانین کے معنی امت میں فرقوں کے وجود کی گڑھوں کو مضبوط ترین کر دینا ہیں (قائد اعظم کے الفاظ میں) جب امت کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک ہے، تو امت بھی ایک کیوں نہ ہو؟

(۱۱) اب آئیے پبلک لاز کی طرف۔ پبلک لاز سے مراد وہ قوانین ہوتے ہیں جن کا اطلاق ملک کے تمام باشندوں (اسلامی مملکت میں کم از کم تمام مسلمانوں) پر یکساں ہوتا ہو۔ ہم نے کہا کہ کتاب سنت کی روش سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکے گا جسے تمام فرقوں کے مسلمان متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ہم نے طبری تفصیل اور شریح کے ساتھ مسلسل اور متواتر لکھا۔ اس سلسلہ

میں جو دلائل ہم نے پیش کئے، وہ مختصاً حسب ذیل تھے۔

(۱) "کتاب و سنت" میں کتاب (قرآن مجید) کا لفظ محض تبرکاً رکھ لیا گیا ہے۔ عملاً تمام احکام شریعت کے متعلق دعویٰ یہ ہے کہ وہ (بلا واسطہ یا بلا واسطہ) سنت پر مبنی ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری شریعت میں ایسے احکام بھی ہیں جو صریحاً قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ اس کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ سنت، قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔

(۲) سنت کے متعلق ہم نے کہا تھا کہ اس کی تفصیلات تو ایک طرف، اس کے مفہوم تک میں بنیادی اختلاف ہے۔ ایک طبقہ کے نزدیک، سنت، احادیث ہی کا دوسرا نام ہے۔ یعنی ہر حدیث سنت رسول اللہ ہے۔ دوسرے طبقہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر حدیث، سنت نہیں۔ سنت، حضور کے اس غل کو کہا جائے گا جسے آپؐ نے یہ حیثیت رسولؐ سرانجام دیا ہو۔ چونکہ احادیث کے مجموعوں میں اس کی کہیں تصریح نہیں کہ حضورؐ نے فلاں کام یہ حیثیت رسولؐ کیا تھا اور فلاں کام اپنی شخصی حیثیت سے، اس لئے اس کا تعین ہمیں خود کرنا ہوگا۔ اس موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اور اس زمانہ کے جمیعت اہل بیت کے صدر، مولانا محمد اسماعیل (مرحوم)، میں دلچسپ بحث چلی تھی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے۔ مولانا اسماعیل مرحوم کی طرف سے شائع کردہ کتابچہ۔ "جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث"۔ اور مودودی مرحوم کی کتاب "تفہیمات" اور رسائل و سائل) ظاہر ہے کہ جس بنیاد کا مفہوم تک متعین نہ کیا جاسکتا ہو، اس پر قوانین مملکت کی عمارت کس طرح استوار ہو سکتی ہے؟

(۳) قرآن کریم ایک متعین اور معلوم کتاب ہے جسے تمام مسلمان کتاب اللہ مانتے ہیں۔ لیکن تمام عالم اسلام میں کوئی ایسی کتاب نہیں جسے تمام مسلمان سنت رسول اللہ کا مستند اور متفق علیہ مجموعہ تسلیم کرتے ہوں۔ ہر فرقہ کی "سنت" الگ الگ ہے۔ یعنی الگ الگ حدیثیں۔ اور الگ الگ کی بھی یہ کیفیت کہ (مثلاً) اہل حدیث حضرات کے نزدیک، بخاری اور مسلم کی کسی ایک حدیث کا انکار بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اور حنفی حضرات، بخاری اور مسلم کی کم از کم دوسو حدیثوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ (مثلاً) کیفیت یہ ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو اسلام کے بنیادی ستون کہا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کی بات بعد میں آئے گی) صلوٰۃ (نماز) کی کیفیت یہ ہے کہ ہر فرقہ کی نمازیں، دوسرے فرقوں کی نماز سے اختلاف ہے۔ اور ہر فرقہ اپنی نماز کو احادیث کے مطابق ثابت کرتا ہے۔ اس اختلاف کی شدت کا یہ عالم ہے کہ ایک فرقہ کے پیرو، دوسرے فرقہ والوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھتے، اور مسجدوں کی تخصیص پر مختلف فرقوں میں آئے دن فساد ہوتے رہتے ہیں۔

بیس برس تک طلوع اسلام اپنی اس پکار کو دہراتا رہا کہ "کتاب و سنت" کی رو سے پبلک لائبریری کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ ان حضرات میں سے کسی نے طلوع اسلام کی کسی دلیل کی تردید نہ کی۔ - بیس برس کے بعد مودودی (مرحوم) کو طلوع اسلام کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنا پڑا کہ کتاب و سنت کی رو سے پبلک لائبریری کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جاسکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے ہفت روزہ ایشیا۔

بابت ۲۲ اگست ۱۹۷۷ء)

(۱)

اس اعتراف کے بعد مودودی (مرحوم) نے کہا کہ اس کے بجائے فقہ حنفی کو ملک میں، مملکت کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے۔ طلوع اسلام نے اس پر بھی قوم کے سامنے حقائق کا آئینہ دکھا اور کہا کہ یہ تجویز، نہ صرف دین

فقہ

کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ ناممکن العمل بھی ہے۔ اس نے اختصاراً کہا:-

(۱) فقہ کی صحیح پوزیشن سمجھنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قانون سازی کے سلسلہ میں قرآن مجید کا موقف کیا ہے۔ قرآن کریم، تمام نوع انسان کے لئے، ہمیشہ کے لئے ضابطہ زندگی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی ضروریات اور تقاضے جامد نہیں رہتے۔ یہ حالات اور زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ جس ضابطہ کو عالمگیر انسانیت کے لئے تمام زمانوں کے لئے ابدی راہ نمائی کا کام دینا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اس میں نوع انسان کے بدلتے رہنے والے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تبدیلی کی گنجائش ہوتی۔ اس بنیادی تقاضا کے پیش نظر قرآن مجید نے، ہر چند متعین احکام، زندگی کے لئے اصول اور اقدار دیئے ہیں۔ احکام و قوانین کی جزئیات خود ہی متعین نہیں کر دیں۔ اس نے کہا ہے کہ یہ اصول اور اقدار ان حدود و کام دیں گی جن کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانہ کی اسلامی مملکت اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئیات خود متعین کرے۔ قرآن مجید کے اصول و اقدار تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کے اندر رہتے ہوئے مدون کردہ جزئیات، بدلتے رہنے والے حالات کے مطابق بدلتی رہیں گی۔ ثبات (PERMANENCE) اور تغیر (CHANGE) کے اس حسین انتزاع سے، قرآنی نظام، نوع انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دیتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

اس نظام کی اس خصوصیت کو سمجھنے کے لئے (مثال کے طور پر) ملک کے میدان کو سامنے لائیے۔ اس میدان کے چاروں طرف ایک نمایاں کیرکھینچ کر اسے محدود کر دیا جاتا ہے۔ میدان کے اندر دو چار جگہ خصوصی نشانات لگا دیئے جاتے ہیں اور دونوں ٹیموں کے لئے گول (نصب العین) متعین کر دیا جاتا ہے۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے، اور ان ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے جو اس کھیل کے لئے متعین کئے جاتے ہیں، ٹیم اور ٹیم کا ہر کھلاڑی آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی صدا بدید کے مطابق، گیند کو گول کے اندر پہنچا دے۔ ان کھلاڑیوں میں سے جو شخص کھیل کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقف اور اپنی ٹیم کے کھلاڑیوں کے مزاج اور صلاحیتوں پر نگاہ رکھتا ہو، اسے ٹیم کا کپتان مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یہ کپتان بھی ان قواعد و ضوابط کا باقی کھلاڑیوں کی طرح پابند ہوتا ہے۔ اس کا فریضہ کھلاڑیوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا ہوتا ہے۔

اس مثال سے اسلام کے نظام قانون سازی کا اصول سمجھ میں آجائے گا۔ ہر دور کی اسلامی مملکت کا فریضہ یہ طے کرنا ہوگا کہ قرآن کریم کے ابدی اور غیر متبدل اصول و اقدار کو کس طریق سے نافذ کیا جائے۔ اس طریق کا یا (پروگرام) کی جزئیات کو احکام شریعت یا فقہی قوانین کہا جاتا ہے۔ (ضمناً) لفظ شریعت کے معنی اس راستے کے ہیں جو جیتے پائے گناہ کی طرف لے جائے۔ اس میں آبِ رواں یا بہنے پانی (ندی) کی شرط غور طلب ہے۔ زندگی اگر کسی مقام پر ساکن یا جامد ہو جائے تو وہ ندی نہیں رہتی اس لئے اس قسم کے ساکن پانی رونا قابل تغیر قوانین کی طرف لے جانے والے راستے کو "شریعت" کہا ہی نہیں جاسکے گا۔ باقی فقہ، سوا اس کے معنی ہیں غور و تفتک کے بعد کسی حل پر پہنچنا۔ اگر فقہ میں تفتق (غور و فکر) کی گنجائش نہ رہے تو وہ فقہ کہل نہیں سکتی۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ کسی زمانے کے مدون کردہ قوانین فقہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل قرار نہیں پاسکتے۔ یہ اس زمانے کے لئے جس میں یہ مدون ہوئے تھے، قوانین شریعت کہلا سکتے تھے۔ انہیں بعد کے زمانے والوں پر علیٰ حالہ مسلط کرنا، نہ اسلام کا منشا تھا، نہ ان مقتضیوں کا مقصد جنہوں نے انہیں مدون

کیا تھا۔ چونکہ یہ بعد کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پورا کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے ناممکن العمل ہوتے ہیں۔ (اس کی مثالیں آگے چل کر سامنے آئیں گی) قرآن مجید نے غیر متبدل حرف کلمت اللہ (قوانین خداوندی) کو قرار دیا ہے۔ (۶۶) انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو غیر متبدل قرار دینا انہیں مقام الوہیت عطا کر دینا ہے جو شرک ہے۔ ابدیت اسی کے احکام کو حاصل ہو سکتی ہے جو خود ابدی ہو۔

(۵)

جب یہ تجویز کیا گیا تھا کہ پاکستان میں فقہ حنفی (بطور پبلک لاز) نافذ کر دی جائے تو ہم نے اس کے خلاف مذکورہ صدر، پہلا اور بنیادی اعتراض کیا تھا۔ اب دوسرے اعتراض کی طرف آئیے۔

(۱) مسلمانوں میں متعدد فرقے ہیں اور ہر فرقے کی فقہ اپنی اپنی ہے۔ ایک فرقہ نہ کسی دوسرے فرقہ کی فقہ کو اسلامی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، نہ ہی اپنی فقہ میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کے لئے آمادہ۔ اندر میں حالات، کسی ایک فرقہ کی فقہ کو، دوسرے فرقوں پر مسلط کرنا، اور ان سے کہنا کہ وہ، اسلامی قوانین کی حیثیت سے اس کی اطاعت کریں، مذہب میں جبر ہو گا جسے کوئی بھی بطیب خاطر قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس تجویز کے خلاف (کہ ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے) سب سے پہلے شیعہ حضرات نے حدائے احتجاج بلند کی۔ اس کے بعد، اہل حدیث نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ ہم تو فقہ کے مسلک ہی کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں (خواہ وہ کوئی فقہ ہو) اس لئے ہم فقہی قوانین کو کس طرح اسلامی تسلیم کریں گے۔ اس وقت یہ بحثیں محض نظری تھیں۔ اس کے بعد ان فقہی قوانین کی پہلی قسط "قوانین حدود" (سزائوں سے متعلق قوانین) کی شکل میں، ۱۹۷۹ء میں ملکی قوانین کی حیثیت سے نافذ کی گئی۔ یہ قوانین کس قدر ناممکن العمل تھے اس کا اندازہ اس سے لگا بیٹھے کہ ان قوانین کے ساتھ ہی (انگریزی زمانہ کے) مروجہ قوانین بھی شائع کر دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ جو مقدمات قوانین حدود کی زد سے فیصل نہ ہو سکیں، ان کا تصفیہ مروجہ قوانین کی رو سے کر دیا جائے۔ چنانچہ، اس تمام زمانے میں، قوانین حدود میں سے کوئی ایک قانون بھی نافذ العمل نہ ہو سکا۔

یہ قوانین ہیں کس قسم کے، اس کا اندازہ اس سے لگا بیٹھے کہ

(۱) جرم زنا کے ثبوت کے لئے شرط یہ ہے کہ چار مسلمان متفق۔ پرمیزگار گواہوں نے "عمل دخول"..... (ACT OF PENETRATION) کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ جن لوگوں کی آنکھوں پر عقیدت کے رنگین چشمے ہیں، ان سے تو ہمارا خطاب نہیں۔ لیکن جو حضرات واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوں، ہم ان سے عرض کریں گے کہ وہ سوچیں کہ ایسے قسم کے قانون کے متعلق (ہم تو ایک طرف) دنیا کیا کہے گی؟ لیکن یہ قانون، ہمارے مل اسلامی قانون کی حیثیت سے نافذ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ صرف کاغذ پر ہی ثبت ہے عمل اس پر آج تک نہیں ہو سکا۔ نہ کبھی ہو سکے گا!

(۲) ان قوانین کی رو سے، شادی شدہ اشخاص کے لئے جرم زنا کی سزا رجم ہے۔ یعنی مجرم کو زمین میں گاڑ کر، اسے پتھر یا مار کر ہلاک کر دینا۔ یہ سزا قرآن کریم کے یکسر خلاف ہے۔ اس میں کہیں یہ سزا مقرر نہیں کی گئی۔ یہ غنیمت

بعد کیا؟ — یہاں حقائق کا سامنا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

آپ نے غور فرمایا ہے کہ مملکت پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کے سلسلہ میں ہم کس مقام پر پہنچ گئے، یا پہنچائے جا رہے ہیں؟ اسی مقام پر جہاں مطالبہ پاکستان کے مخالفین کھڑے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ

(۱) متحدہ (آزاد) ہندوستان میں مسلمانوں کو شخصی قوانین کی آزادی حاصل ہوگی۔

(۲) باقی رہے پبلک لاز، سوال کے لئے اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں کہ انہیں جمہوری طریقہ سے وضع کیا جائے۔

پاکستان میں جو کچھ اسلام کے نام سے ہو رہا ہے اس سے ہم بتدریج اس مقام تک پہنچ جائیں گے۔ اور جب ہم اس مقام پر پہنچ جائیں گے تو اس سے ہماری نوجوان نسل کا یہ خیال، ایک حقیقت بن جائے گا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان (یا ہندو) صحیح کہتے تھے کہ مسلمانوں کو جداگانہ مملکت کی ضرورت کیا ہے؟ اور تو اور، مسٹر گاندھی تک نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ اگر سٹر جناح، پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا خیال ترک کر دیں تو ہمارے اور ان کے اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ ہماری نئی نسل کے اس سوال کا ذکر ہم نے پاکستان بنا کر حاصل کیا کیا؟ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز تو یہی تھی کہ ہم اسے اسلامی بنانا چاہتے ہیں۔ اگر اسلام بن نہیں سکتی تو پھر اس کے ہندوستان سے علیحدہ رہنے کی وجہ جواز کیا ہوگی؟

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر اس مشکل کا حل کیا ہوگا۔ اس کا حل وہی ہوگا جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی قرآن مجید کی غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود وضع کئے جائیں۔ اگر آپ کہیں کہ فقہ اور روایات کو غیر متبدل دین سمجھنے والے اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے..... تو پھر ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہیے کہ یہاں بھی ایسی حکومت قائم ہو جائے جیسی دنیا کے عام ممالک میں ہے۔

(۱)

معراجِ انسانیّت

سیرتِ صاحبِ قرآن (علیہ السلام) خود قرآن کے آئینے میں منکشف قرآن کا بلند پایہ شاہکار، عقل و عشق، فکر و نظر، دل اور دماغ کا حسین استنتاج۔ اس سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے

مقامِ محمدی — اور — انقبلا محمدی نکھر کر سامنے آجاتے ہیں

حسنِ معنوی کے ساتھ صوری پاکیزگی بھی دیدہ زیب، بڑی تقطیع، اعلیٰ درجہ کا سفید کاغذ۔ ضخامت پانصد صفحات۔ کتابت طباعت نورانی، جلد مضبوط اور دلکش۔
مکمل کا پتہ: قیمت ۴۵ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور * ادارہ طلوع اسلام بی گلیبرگ لاہور